صوبہ خیبر پختونخواہ کے علماء کی فقہی خدمات

ایک جائزہ

"Fiqhi" Contributions of the Ulama of Khyber Pakhtunkhwa An-analytical Study

ڈاکٹر راشدہ پروین*

پروفیسر ڈاکٹر محمد امین**

Abstract

"Fiqh" or "Al-Fiqh" is one of the most important fields of Islamic Religious Sciences. It deals with the nature and rulings of the practices usually observed by the Muslims in their daily lives regarding being lawful or otherwise. In this field, the contributions of the religious scholars of the province of Khyberpakhtunkhwa are highly admirable. Being a gate-way for the Sub-Continent including China, the scholastic pursuits progressing in Syria, Iraq and subsequently in Asia Minor, particularly impressed/influenced the Fiqhi developments of this region (Khyberpakhtunkhwa). The reason for the said influence on this specific area (region) has also been elaborated in this article. An massive creative work along with original research studies were carried out by the inhabitant scholars of the Sub-Continent in general and that of the Khyberpakhtunkhwa Province, in particular since long duly producing remarkable books in this field. There is another specific characteristic of the people of this region: that the majority of them are the followers of "Fiqh-e-Hanfi"

In this article, only as a sample, an analytical review of the books of "Ulema" hailing from this region (like Syed Amin –al-Haque", Maulana Shaista Gul" , "Maulana Hamd-Allah-Jan" and "Sheikh-Al-Quran, Maulana Muhammad Tahir") has been presented to prove the above-cited hypothesis.In addition to that all of the above details and some more have been elaborated along with special focus on the creative works of the Religious Scholars of this region. Most of the research works- (other than those mentioned in this article) are published in the forms of presentable books. This will prove helpful for the young researchers in future.

*اسسٹنٹ پروفیسر، وومن یونیورسٹی مردان، پاکستان

**وزیٹنگ پروفیسر، وومن یونیورسٹی مردان، پاکستان

Key Words: Fiqh Hanfi, Islamic Religious Sciences, Khyber Pakhtunkhwa , Scholastic pursuits

عنوان بالا پر تفصیلی بحث شروع کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ''فقہ'' یا فقہ ''حنفی'' (جو اس خطہ کا اکثریتی مذہب یعنی مسلک ہے) کا تعارف اور اس کی قبولیت عام کے بارے میں چند ضروری نکات پر روشنی ڈالی جائے تاکہ موضوع کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

علوم اسلامیہ کے ذیل میں سب سے زیادہ اگر کوئی صنف (علوم کی کوئی قسم) بہت زیادہ زیر بحث رہی ہے تو وہ ''فقہ'' یا ''علم فقہ'' ہے۔ لیکن جس نکتہ پر زیادہ مواد دستیاب نہیں وہ ہے ''خیبر پختونخواہ کے علماء کی فقہی خدمات''۔ یہ نکتہ بے حد توجہ طلب ہے کہ علماء ماورآء النہر کے بعد اگر فقہ کے میدان میں کسی خاص خطہ کے علماء نے خدمات انجام دی ہیں تو بلاشبہ وہ برصغیر پاک وہند (بشمول چین) کے علماء یاد کئے جاتے ہیں جن میں خیبر پختونخواہ کا علاقہ ابتداء ہی سے شامل رہا ہے۔

اس خطہ کے باسیوں کا دینی علوم خصوصا فقہی علوم سے بہت گہرا تعلق رہا ہے۔ فقہ حنفی کی قبولیت بھی اس علاقے میں بہت پہلے ہوئی۔ ''حنفی مذہب کوفہ میں پیدا ہوا۔ امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد علماء نے بغداد میں اس کو پڑھا پڑھایا۔ جب اس کی عام اشاعت ہوئی اور اکثر اسلامی ممالک میں پھیل گیا۔ مصر وشام 'بلاد روم و عراق اور ماوارآء النہر تک وسیع ہو گیا۔''[1]

فقہ حنفی کے پیروکاروں اور ماننے والوں میں جن جن علاقوں کے لوگ شامل ہوتے رہے وہ اکثر یا تو اس کی خوبیوں سے متاثر ہوتے تھے یا بعض خلفاء و سلاطین کے اثرورسوخ کے زیر اثر اس کے حلقہ میں داخل ہوتے رہے:

''فقہ حنفی کا فروغ بنیادی طور پر اس کے اندر موجود خصوصیات کی وجہ سے ہوا ہے۔ ابتداء میں فقہ حنفی شام ''عراق''''مصر''''عرب'' اندلس اور افریقہ کے بہت سے علاقوں میں پھیلا مگر کہیں اسے مزاحمت کا سامنا بھی کرنا پڑا اور کہیں سلاطین کی پسند و ناپسند کا شکار بھی ہوا اس لئے خاص خاص علاقوں میں اسے فروغ حاصل ہوا۔''[2]

برصغیر پاک وہند میں فقہ حنفی کی آمد شیخ ابوزھرہ نے یوں بیان کی ہے:

''حنفی مذہب کوفہ میں پیدا ہوا۔ امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد علماء نے بغداد میں اس کو پڑھا پڑھایا۔ جب اس کی عام اشاعت ہوئی اور اکثر اسلامی ممالک میں پھیل گیا۔ مصر و شام 'بلاد روم و عراق اور ما ورآء النہر تک وسیع ہو گیا۔۔۔۔ پھر عربی ممالک کی حدود سے نکل کر سر زمین ہند و چین میں پہنچ گیا جہاں کوئی مذہب اس کا مزاحم نہ ہو سکا اور ان ممالک کے دور افتادہ گوشوں میں اب تک ایک منفرد مذہب کی حیثیت سے زندہ ہے۔ ہند و چین کے مسلمان اب تک عبادات اور اپنی خانگی زندگی سے متعلقہ معاملات میں حنفی مذہب کے راجح اصولوں پر عمل کرتے ہیں۔''[3]

تاریخ فقہ پر نظر دوڑاتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کی اشاعت و ترویج کے کئی اسباب تھے جن میں سے اس کی اپنی خصوصیات، سلاطین کا اثر و رسوخ مختصر اذکر ہو چکے جبکہ کئی اور باتیں بھی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں قاضیوں کی تعیناتی وغیرہ جیسے اسباب کا بھی ذکر آتا ہے۔ تو جہاں تک اس مسلک کے قاضیوں کی تعیناتی کی وجہ سے ہونے والے فروغ و استحکام کی بات کا تعلق ہے اس کا ذکر شیخ ابو زھرہ نے یوں کیا ہے: "جب امام ابو حنیفہ کے اولین شاگرد امام ابو یوسف ہارون الرشید کے عہد خلافت میں منصب قضا پر فائز ہوئے تو حنفی مذہب نے سرکاری حیثیت حاصل کر لی جس سے اس کی نشر و اشاعت میں بڑی ترقی ہوئی۔ 170ھ کے بعد جب امام ابو یوسف قاضی القضاۃ بنائے گئے تو خلافت عباسیہ کے تمام قاضی آپؒ کے تابع فرمان ہوئے۔ سب قاضی آپؒ کے حکم سے تعینات کیے جاتے۔ اقصائے مشرق سے لے کر شمالی افریقہ تک تمام بلاد اسلامیہ میں جو قاضی مقرر کیے جاتے وہ آپ کے انتخاب کردہ ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ آپؒ انہی لوگوں کو قاضی بنانا پسند کرتے جو طریق اجتہاد و فتویٰ میں ان کے ہمنوا ہوتے اور ان کا طریق استنباط وہی تھا جو امام ابو حنیفہؒ کا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فقہائے عراق کے افکار و آراء بلاد اسلامیہ کے عوام میں پھیل گئے۔ البتہ اندلس میں مالکی مذہب اسی طرح حکومت کے زیر سایہ پھیلا پھولا جیسے عراق میں حنفی مذہب۔ چنانچہ امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

مذھبان انتشرا فی بدء امرھما بالریاسۃ الحنفیۃ بالمشرق والمالکیۃ بالاندلس[4]

''دو مذہب اپنے ابتدائی دور میں حکومت کے میں سایہ پلے بڑھے۔ مشرق میں حنفی مذہب اور اندلس میں مالکی مذہب''

اکثر ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا رہا کہ یہ کیسے ممکن ہوا ہوگا؟اس سوال کا جواب دوسری طرح جناب حبیب الرحمن شیروانی صاحب نے یوں دیا ہے:

''ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ عام طور پر مذہب حنفی اور مذہب مالکی کی کامیابی کا سہرا امام ابو یوسفؒ اور امام یحیٰؒ ابن یحی المصمودیؒ کے سر باندھا جاتا ہے کہ ان کا وجود نہ ہوتا تو شیوع حاصل نہ ہوتا یہ صحیح ہے کہ یہ دونوں امام ان دونوں مذہبوں کے شیوع ورواج کا زبردست ذریعہ بنے لیکن یہ صحیح نہیں کہ ان کے شیوع اور ترویج کی علت تامہ وہ دونوں ہیں۔اس پر غور کرنا چاہئے کہ تعلیم سے شاگرد پیدا ہوتے ہیں۔ تصانیف پیدا ہوتی ہیں نہ یہ کہ استاد کی تعلیم کی خوبی شاگرد پیدا کرتا ہے شخصی کوششوں سے فروغ ورواج تعلیم ضرور ہوتا ہے مگر عالمگیر غلبہ و ظہور جو صدیوں تک قائم و باقی رہے وہ خود اس تعلیم کی اندرونی قوت واثر ہی سے ہو سکتا ہے۔ بالآخر کامل شاگردوں کا وجود بھی تو قوت وخوبی تعلیم کا منت کش ہے۔امام ابو یوسفؒ اور امام یحی بھی مذہب حنفی ومالکی کی قوت کا ثبوت ہیں''[5]

البتہ مولانا صاحب اس حقیقت سے انکار نہیں کرتے کہ امام ابو یوسفؒ کے قاضی مقرر ہونے اور سلاطین آل سلجوق 'آل عثمان 'عالمگیری ہندوستان جو سب کے سب حنفی تھے۔ کی سرپرستی حاصل ہونے سے فقہ حنفی کو فروغ پانے میں مدد ملی۔ فرماتے ہیں کہ :

''ہارون الرشید کی خلافت کے شایان شان قاضی القضاۃ اول امام ابو یوسفؒ ہی ٹھہرے خلافت عباسیہ کے بعد جتنی ایسی قوتیں بر سرپیکار آئیں جن کی قوت اور غلبہ کو بین الاقوامی اور بین الممالک مرتبہ حاصل ہوا۔ وہ قریبا سب کے سب حنفی تھیں۔ مثلا آل سلجوق'' آل عثمان'' عالمگیری ہندوستان بجائے خود ایک برآعظم تھا۔ یادتازہ کرو حافظ ابن قیمؒ کے اس بیان کی کہ مسروقؒ کا قول ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا علم وہ خلیج ہے کہ اگر اس پر روئے زمین کے تشنہ کام وارد ہو جائیں تو

سیراب ہو سکیں۔ ملا واس کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی کا کشف کہ نظر کشفی میں دوسرے مذہب حیاض وجداول کی شکل میں منکشف ہوتے ہیں۔ مذہب حنفی بشکل دریائے ذخار جو عرش سے گزر رہا ہے دوسرے مذاہب حقہ عموما یا ملک سے مخصوص رہے یا نسل سے۔ بین الاقوامی مرتبہ کمتر پاسکے۔"[6]

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا ہے. یہ بات واضح ہوگئی کہ یہاں تک اس کے پہنچنے کے کئی ایک اسباب تھے لیکن ایک اور سبب بھی تھا جس کا ذکر بعض محققین نے بصراحت کیا ہے اور اس بات کی وضاحت بھی کی ہے کہ اس فقہ کو اس خطہ (خیبر پختونخواہ) میں جو غلبہ ملا اسکی کئی وجوہات کے ساتھ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ:

"پشتو زبان میں فقہ کے موضوع پر جو کتابیں موجود ہیں وہ تقریبا سب حنفی فقہ سے تعلق رکھتی ہیں اس کی وجہ غالبا یہ ہے کہ دور عباسیہ میں اسلامی سلطنت کی حدود مکران 'بلوچستان اور افغانستان تک پہنچ گئی تھیں اور ہارون الرشید کے عہد میں امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ کے ذریعہ فقہ حنفی کو ریاست کے قانون کی حیثیت سے نافذ کیا گیا تھا اس لئے سرحد (موجودہ خیبر پختونخواہ) اور بلوچستان کے پشتون بالعموم حنفی فقہ پر عمل پیرا رہے اور غالبا امام ابو حنیفہؒ سے نسلی {اس خطہ کے لوگوں میں یہ تاثر عام ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اپنے دادا ضوطہ کے واسطے سے (یعنی تیسری پشت میں پٹھان یا افغان تھے) اور اعتقادی روابط کی وجہ سے عباسی عہد گزر جانے کے بعد بھی یہاں حنفی فقہ رائج رہا۔}"[7]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدمت پوری دنیا کے ساتھ ساتھ خیبر پختونخواہ کے میدانوں، کوہستانوں، ریگزاروں اور سرسبز وشاداب کوہساروں میں بھی ہوتی رہی ہے۔جواب تک جاری ہے۔

زیر نظر آرٹیکل میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس صوبہ کے ایسے علماء کی خدمات پر روشنی ڈالی جائے جن کا ذکر دیگر کتب میں بتکرار نہیں آتا ہے اور بقول کسی "مشتی نمونہ از خروارے"، تحقیق کے میدان کے شہسواروں کے لئے ایک دلچسپ موضوع سامنے لے ائیں تا کہ وہ ان کے بارے میں اور ان کی تخلیقات کے بارے میں مزید تحقیقات کریں۔ جن کے اسماء گرامی ہیں: حضرت مولانا سید

امین الحق، حضرت مولانا شائستہ گل المعروف ''متہ ملا صاحب'' حضرت مولانا حمد اللہ جان (ڈاگئی مولوی صاحب) اور شیخ القرآن مولانا محمد طاہر پنج پیری صاحب۔

حضرت مولانا سید امین الحقؒ صاحب

ویسے مولانا سید امین الحق صاحب تو مردان ضلع کے ایک مشہور و معروف قصبہ طورو سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر اپنی علمی عظمت شان کی وجہ سے پورے صوبہ نہ بلکہ سارے ملک میں ممتاز نظر آتے تھے۔

ولادت اور خاندانی سلسلہ:

مولانا سید امین الحقؒ 1907ع میں طورو ضلع مردان میں مولانا محمد اسحاقؒ صاحب کے گھر میں پیدا ہوئے۔ حضرت سید مولانا نور محمد صاحب غازی المعروف اخون یونس صاحب کی وساطت سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جاملتا ہے''[8]

تعلیم و تربیت:

سید امیر شاہ صاحب کے بیان کے مطابق:

''آپ بہت ہی ابتدائی ایام زندگی ہی سے طلب علم میں مصروف ہوگئے اور گیارہ برس کی عمر میں اپنے چچا مولانا عبدالجلیل صاحب سے قرآن پاک حفظ کیا۔ ابتدائی اور متوسط درجہ کی کتابیں مولانا محمد اسماعیل صاحب اور مولانا عبدالجلیل صاحب سے پڑھیں۔ 1336ھ میں دارلعلوم دیوبند جاکر اعلے تعلیم کے حصول کے لئے داخلہ لیا جہاں مولانا محمد انور شاہ کشمیری سے 1340ھ میں دورہ حدیث پڑھا اور زیادہ تر وقت انہی کی صحبت میں گزار۔''[9]

فراغت کے بعد آپ نے تدریس و تصنیف و تالیف کا عمل شروع کیا تھا اور درج ذیل مایہ ناز کتب تصنیف کیں:

1۔ اسلام اور قربانی

2۔ السھم الحدید فی نحر العنید: یہ فرقہ غیر مقلدین کی ایک کتاب ''نتائج التقلید'' کا جواب ہے۔

3۔ بائبل اور قرآن: مشہور عیسائی مبلغ ایس۔ایم۔پال کے رسالہ ''ہمارا قرآن '' کے جواب میں۔

4۔بصائر السنۃ:(حصہ اول ودوم)مشہور منکر حدیث غلام احمد پرویز کے لٹریچر کے جواب میں۔

5۔تنبیہ الاغبیاء فی حیاۃ الانبیاء: غیر مقلدین کے عقیدہ کے رد میں۔

6۔تذکرۃ الرسول:(سیرت مطہرہ پر سیر حاصل بحث ہے)۔

7۔زمینداری کا شرعی نظام:(یہ مالک ومزارع کے درمیان پیش آمدہ مسائل وتنازعات کا معتدلانہ انداز میں تصفیہ ہے)

8۔عجالہ نافعہ: تنقیص رسول ﷺ میں زور لگانے والوں کے جواب میں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپؒ نے فقہ حنفی کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔اب وقت کا تقاضا ہے ک صوبہ خیبر پختونخواہ کے ریسرچ سکالر بالعموم اور ضلع مردان کی یونیورسٹیوں کے محققین بالخصوص ان کتب پر مزید تحقیق کریں۔

حضرت مولانا شائستہ گل صاحب المعروف "متہ ملا صاحب"

تاریخ پیدائش و تعلیم وتربیت:

"مفتی اعظم سرحد حضرت مولانا شائستہ گل المعروف متہ مولانا محمد علی بن ملک العلمآء عمر دراز 1303ھ/1886ع میں موضع لنڈی شاہ متہ (مردان) میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کے والد ماجد اور جد امجد صوبہ سرحد کے ممتاز علماء میں سے تھے اور خود آپ علمی تفوق و تفضل کی بناء پر "شیخ العلمآء"اور "مفتی اعظم سرحد" کے القابات سے ملقب تھے۔"[10]

اس طرح ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ ہونے کی وجہ سے بہت ہی بچپن میں ابتدائی کتب اپنے والد صاحب مولانا محمد علی (متوفی 1343ھ) سے پڑھیں بعض دیگر کتب پڑھنے کے لئے دیگر علاقوں کا سفر کیا"۔۔۔ضلع سوات کے ایک گاوں ایلی(بنیر) کے ایک مشہور نحوی عالم المعروف" ایلی مولانا صاحب" سے نحو پڑھی"[11]

مولانا صدیق ہزاروی کے بیان کے مطابق:

''لالہ کلا مولانا صاحب'' سے صرف پڑھی حضرت قاضی صاحب بڑھنی سے معقول و منقول کی کتابیں پڑھیں۔ ڈاگئی یار حسین کے مولانا صاحب سے تفسیر اور حدیث کا درس لیا اور سند فراغ مولانا عبدالعلی دہلوی سے حاصل کی۔ جون پور کے دارالعلوم حنفیہ میں مولانا حامد علی سے بھی دورہ حدیث کی تکمیل کر کے سند فراغ حاصل کی۔ آپ نے تجوید و قرآت مولانا قاری عبدالسلام بن قاری عبدالرحمن پانی پتی سے پڑھی اور اس طرح تقریبا تیس برس کی عمر میں تمام مروجہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ حاصل کی''[12]

تدریسی اور تصنیفی خدمات:

تکمیل علوم کے بعد آپ نے اپنے گاؤں ''لنڈے شاہ متہ'' میں ایک دینی درس گاہ بنام ''دارالعلوم حنفیہ سنیہ'' قائم کر کے اس میں تدریس کا عمل وفات ہونے سے قبل تک جاری رکھا۔ (چونکہ راقم اسی گاؤں کے قریب ہی ایک گاؤں کا باشندہ ہے اور حضرت مولانا سے زندگی بھر شناسائی رہی اس لئے سارے احوال کا علم رکھتا ہے)۔ آپ کی خدمات میں سے زیادہ قابل ذکر ہے آپ کی تصنیفات ہیں جو درج ذیل ہیں:

1۔ مضامین قرآن: جس میں قرآن پاک کے مضامین متعین کر کے مضمون سے متعلق آیات ترتیب دی گئیں۔
2۔ مطالب القرآن: جس میں ہر ایک لفظ یا اسم کا پورا پورا مطلب بیان کیا گیا ہے ان کے حوالہ جات لکھے گئے ہیں"۔
3۔ قرآت القرآن: جس میں فن قرآت سے متعلق بحث کی گئی ہے۔
4۔ حاشیہ مدارك التنزیل: یہ تفسیر مدارک پر عربی شرح ہے۔ انتہائی جامع اور مدلل ہے اور علوم عقلیہ کی حامل ہے۔
5۔ حاشیۂ جلالین: مشہور تفسیر جلالین پر حاشیہ ہے۔
6۔ مرادی شرح زرادی: مشہور کتاب ''زرادی'' پر عربی میں شرح ہے

7۔ شرح جزری: جزری کی شرح اردو میں لکھی ہے

8۔ الاستفتآءات المیراث: جس میں علم میراث کے بارے میں مسائل ہیں

9۔ مجموعۃ الفتاوی: جس میں سینکڑوں فقہی مسائل شامل کئے گئے ہیں

10۔ تفسیر قرآن مجید: قرآن مجید کا ترجمہ اور فوائد اردو زبان میں ہے۔[13]

حضرت مولانا صاحب کی اولاد میں سے اکثر صاحبان جبہ و دستار ہیں اور مختلف مدارس وغیرہ میں درس وتدریس کے عمل میں مصروف ہیں۔ سب سے بڑے دو بیٹے تو وفات پاچکے ہیں تاہم ان کی اولاد جو علماء ہیں دین کی خدمت کر رہے ہیں۔

اولاد کی تفصیل یوں ہے کہ "آپ کے چار صاحبزادے ہیں جو اپنے والد صاحب کے صحیح جانشین ہیں"(راقم)ان کی تفصیل یہ ہے کہ: ایک ہیں حضرت مولانا عبدالمنان، دوسرے حضرت مولانا عبد السبحان جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور دو دوسرے یعنی مولانا عبدالدیان اور مولانا فضل سبحان جو دینی علوم کی خدمت میں مصروف ہیں۔ حیات ہیں۔

آخرکار آپ (حضرت مولانا صاحب شائستہ گل)15رمضان 1401ھ/7جولائی 1981ع کو وفات پاگئے (راقم)۔

حضرت مولانا حمداللہ صاحب ڈاگئی (صوابی)

ولادت اور تعلیم وتربیت:

حضرت مولانا کے اپنے بیان کے مطابق آپ 1912ء کو ڈاگئی یار حسین ضلع صوابی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم قاضی امان اللہ ڈاگئی اور صاحب حق صاحب زروبی سے حاصل کی۔ اس کے بعد فنون کی کتابیں مختلف علاقوں کے علماء سے پڑھ کر اعلی تعلیم کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے، جہاں آپ نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ اس زمانے میں شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب اسی مدرسہ میں علم حدیث کے استاد تھے۔ چنانچہ آپ نے ان

سمیت دوسرے علماء کرام سے استفادہ کیا۔ مظاہر العلوم تین برس قیام کر کے تکمیل علم کے بعد سند فراغت حاصل کی"۔ [14]

تدریسی و تصنیفی خدمات:

آپ 1947ء میں واپس اپنے وطن آئے اور اپنے گاؤں ڈاگئی میں تدریس فقہ اور افتاء کے امور سر انجام دینے شروع کر دیئے۔ آپ نے "دارالعلوم مظہر العلوم" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا، جس میں درس نظامی کا مکمل نصاب پڑھایا جاتا ہے آپ اسی مدرسہ کے صدر مدرس اور مہتمم بھی ہیں۔ ہر سال یہاں سے 40-50 طلبہ سند فراغت حاصل کرتے ہیں۔ سینکڑوں طلبہ نے آپ سے علمی استفادہ کیا۔ باوجود تدریسی مشاغل کے آپ کا سلسلہ تصنیف و تالیف بھی جاری ہے۔ اس وقت آپ کی دو کتابیں بنام "البصائر لمنکری التوسل باھل المقابر" اور "السیف المنیر" چھپ چکی ہیں"(راقم)

آپ کی یہ دونوں کتابیں نہایت ہی اعلی پائے کی ہیں خصوصا "البصائر لمنکری التوسل باھل المقابر" کی محتویات دیکھنے کی قابل ہیں اس کا مختصر تعارف کیا جارہا ہے تاکہ محققین کے لئے اس میں موجود نکات تک رسائی آسان ہو جائے۔

راقم کے سامنے مذکورہ کتاب پڑی ہے یہ ایک مناسب ضخامت کی کتاب ہے۔ کتاب کے عنوان یعنی نام کا معنی ہے "اہل قبور کے ذریعہ توسل (کی قبولیت) کے منکروں کے لئے بصیرت کی باتیں۔" اس کتاب کے مندرجات کا احاطہ خطبۃ الکتاب جس میں سبب تالیف کا بھی بیان ہے اور (جس میں کہ نو نکات ہیں) چار تفصیلی مقاصد بحث اور ایک خاتمہ (جس میں چہار مباحث ہیں) میں کیا گیا ہے۔ کتاب کے کل صفحات 172 ہیں اور سائز 15x24 سم ہے۔ نیز کتاب کے ساتھ مصطفی ابو یوسف الحمامی کا رسالہ "غوث العباد" بھی ضم کیا گیا ہے۔ جس سے غالبا مؤلف کا مقصد حوالہ کی فراہمی میں آسانی ہے۔ سن تالیف 1385ھ اور ناشر "المکتبۃ الرحیمیۃ پشاور" ہے۔

آپ خطبہ کتاب میں فرماتے ہیں کہ چونکہ دین میں بعض "تشدد" کرنے والے لوگوں نے توسل بذوات فاضلہ اور "سماع الموتیٰ" سے مسائل میں خلاف ادب باتیں کی ہیں اور بعض نے ایک

کتاب موسوم بہ ''البصائر للمتوسلیں بالمقابر'' بھی لکھی جس سے میری غیرت دینی حرکت میں آئی اور پھر مولانا محمد گل رحیم الاسماری جیسے پر خلوص بھائیوں نے بھی اس کے جواب میں کچھ لکھنے کو کہا اس لئے میں نے یہ (زیر نظر) کتاب تالیف کی''[15]

چونکہ کتاب راقم کے سامنے موجود ہے تو اس کے مندرجات پڑھتے ہوئے بہت اچھا لگا کہ حضرت مولانا نے اس سلسلہ میں جو نو نکات پیش کئے ہیں وہ لفظ بلفظ تو نہیں مگر اختصار کے ساتھ پیش کروں تاکہ مسئلہ سمجھ میں آجائے پھر بھی گذارش ہے کہ تحقیق کاروں کے لئے اس کتاب پر کوئی تبصرہ کرنے سے قبل وہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے جس کے رد میں یہ (زیر نظر) کتاب لکھی گئی ہے اور اس کتاب کا نام ہے''البصائر للمتوسلین بأھل المقابر''جس کے مصنف مولانا محمد طاہر پنج پیری ہیں۔

مولانا حمد اللہ صاحب کے نو نکات کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ آپ کا پہلا نکتہ ''حقیقت موت'' کے بارے میں ہے۔ جب کہ دوسرا، تیسرا اور چوتھا بالترتیب روح وبدن کے تعلق 'حیات برزخ اور دنیوی زندگی اور برزخی زندگی میں فرق کے بارے میں ہے۔ اس طرح پانچویں نکتے کا تعلق اس بیان سے ہے کہ موت صفت وجودی ہے یا عدمی ہے۔ جبکہ چھٹے، ساتویں آٹھویں اور نویں نکتے بالترتیب کرامت، کرامت بعد الممات، غیر مقلد عالم کے قول کے دلیل ہونے یا نہ ہونے اور کفر کے لزوم اور التزام کے بارے میں متعلقہ تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔[16]

آگے چل کر آپ نے کتاب کے اندر چار اہم عنوانات کے ذیل میں چار بڑے ہی متنازع مسائل پر بحث کی ہے۔ان میں سے ایک ''سماع الموتی'' کے اثبات کے بارے میں ہے۔ جب کہ دوسرا، تیسرا اور چوتھا بالترتیب ''توسل الی اللہ''{یعنی انبیاء کرام 'اولیاء اللہ کرام اور ان کی شرافت و حرمت سے اپنی حاجت پوری کرانے کے لئے (تفضیل پکڑنا)، سماع موتی کے انکار والی بحث پر نقد و جرح اور توسل سے انکار کرنے کے بارے میں بحث پر تنقید سے متعلق ہے}۔

اس کتاب میں جو خصوصی ابلاغی نکتہ زیر بحث رہا ہے وہ ایک خاص مسلک کی ترویج کے لئے مساعی صرف کرنا ہے۔اس لئے آپ نے آخر میں ''تذنیب'' کے نام سے ایک ذیلی سرخی لگا کر مختلف مسائل اور بعض ائمہ دین کے مسلکوں کے بارے میں طویل تحقیقی بحث کی ہے۔
یہ مسائل ایسے ہیں جن پر ہر زمانہ میں تحقیق و بحث و تمحیص ہوتی رہی ہے۔اس کے چند ایک جہات یہاں پیش کرنے سے مقصود یہ ہے کہ علوم اسلامیہ پڑھنے پڑھانے والے اور اس مضمون میں تحقیق و تدقیق کرنے والے اس طرح کے موضوعات پر بھی نظر رکھیں تاکہ اصل حقیقت واضح ہوتی رہے اور مسلم امہ کے درمیان تمام قسم کے اختلافی مسائل کا حل نکال کر اس کو ایک اعتدال والے راستے پر ڈالا جائے۔

حضرت شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحب

صوبہ خیبر پختونخواہ کے وہ نامی گرامی علمآء جن کو دعوت وارشاد اور تصنیف و تالیف کے میدان میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے ان میں سے ایک شیخ القرآن محمد طاہر پنجپیری صاحب بھی ہیں۔جن کے حالات زندگی یہاں افادہ عام کے لئے پیش کئے جارہے ہیں۔

پیدائش اور تعلیم وتربیت:

آپ موضع ''پنج پیر''، تحصیل وضلع صوابی میں 15ربیع الثانی 1332ھ(بمطابق 1914ء) بروز دوشنبہ پیدا ہوئے آپ کے والد صاحب نہایت ہی متقی اور عابد بزرگ تھے اور اس وقت کے ایک متوسط طبقہ کے زمیندار شمار کئے جاتے تھے۔[17]

حضرت شیخ القران کے ایک شاگرد رشید مولانا خان بادشاہ صاحب آپؒ کے آباؤ واجداد کے بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ: موضع پنج پیر کی نصف بستی آنجناب کے دادا صفو خان صاحب کے نام سے آباد تھی۔اس لئے آپؒ کا خاندان اس علاقے میں ''صفو خیل'' کے نام سے مشہور ہے۔[18]

راقم کو آپؒ کی تعلیم و تربیت اور تکمیل دروس کے بارے میں زیادہ تر معلومات حضرت مولانا کی اپنی ڈائری (قلمی) سے دستیاب ہو چکے ہیں۔اس ڈائری میں تحریر ہے کہ: مجھے پانچ برس کی عمر میں مقامی پرائمری سکول میں داخل کیا گیا۔اور میں نے 1924ء میں چوتھی جماعت پاس کی جس کے امتحان میں مجھے پہلی پوزیشن ملی۔ میری خداداد صلاحیتوں کو دیکھ کر میرے استاد محترم نے میرے والد صاحب کو مشورہ دیا کہ میں عصری تعلیم جاری رکھوں مگر والد صاحب کے مراسم و تعلقات چونکہ علمآء کرام سے زیادہ گہرے تھے اور اس وقت سرحد (اب خیبر پختونخواہ) کے علمآء نے انگریزی سرکاری سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کے خلاف فتوی دیا تھا اسلئے والد صاحب نے مجھے سکول کی تعلیم سے ہٹا کر دینی تعلیم پر لگا دیا۔اس کے بعد میں نے اپنے والد صاحب کے زیر تربیت فنون کی ابتدائی کتابیں مثلا صرف و نحو وغیرہ کی کتب پڑھیں۔ مزید ابتدائی کتب و فنون پڑھنے کے لئے میں مکھڈ ضلع کیمبل پور چلا گیا جہاں میں نے مولانا احمد الدین کے حلقہ درس میں شریک ہو کر ایک سال کے اندر اندر منطق، فلسفہ اور عقائد کی کتب مکمل کیں۔ نیز حضرت مولانا حسین علی صاحب (اب شیخ المشائخ امام المفسرین) سے شعبان و رمضان 1351ھ (1932ء) میں دورہ تفسیر مکمل کیا۔[19]

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے علم تفسیر میں نمایاں مقام حاصل کیا۔اور تفسیر و علم تفسیر کے شیدائی آپ کے حلقہ درس میں شرکت کرنا اپنے لئے باعث عزت و افتخار سمجھتے تھے۔(راقم)

کہیں اور ذریعہ سے باوجود کوشش بسیار کے کوئی شواہد نہیں مل سکے کہ آپ نے دیوبند میں کب پڑھا اور آیا وہاں سے پڑھ کر سند فراغ بھی حاصل کیا تھا یا کہ نہیں؟۔البتہ آپ کی ڈائری (قلمی) میں ایک جگہ پر یہ درج ہے کہ: میں اس کے بعد دیوبند گیا اور دار لعلوم دیوبند سے سند الفراغ حاصل کیا۔ میرے عظیم اساتذہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسی عظیم ہستی بھی شامل ہے۔[20]

تدریسی خدمات:

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مولانا اعزاز علی صاحب نے آپ کو بحیثیت مدرس "**منبع العلوم**" گلاوٹھی بلند شہر بھیجا۔ یہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے زیر نگرانی چل رہا تھا۔ جس کے ناظم مولانا اعزاز علی صاحب تھے۔[21]

مولانا صاحب نے اپنی ذاتی ڈایری میں اس سفر کا واقعہ یوں بیان کیا ہے:

"میں 30 شوال (1935ء) کو بذریعہ ٹرین مدرسہ منبع العلوم روانہ ہوا اور مغرب کے بعد گلاوٹھی کے سٹیشن پر پہنچا۔ میرے پاس اس وقت صرف دو جوڑے کپڑے اور کچھ کتابیں تھیں جب سٹیشن پہ اترا تو میرے ساتھ دو کابلی طالب علم بھی اترے۔اس کے پاس میرے نام دہلی کے ایک دوست نے خط بھی دیا تھا۔ (یعنی دونوں میں سے ایک کے پاس میرے ایک دوست کا دیا ہوا سفارشی خط بھی تھا۔ جس کا نہ مجھے علم تھا اور نہ ان کو یہ علم تھا کہ میں وہی شخص ہوں جس کے لئے وہ یہ خط لائے ہیں) جس میں انہوں نے مدرسہ منبع العلوم میں ان طالب علموں کے داخلہ دلوانے کی سفارش لکھی تھی۔ یہ طالب علم مجھے نہیں پہچانتے تھے۔ ہم رستہ چلنے لگے دوران گفتگو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو اور کدھر جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے جواب دیا کہ دیوبند سے آیا ہوں اور مدرسہ گلاوٹھی جانا ہے میری نو عمری کو دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ بیچارہ دیو بند میں داخلہ نہ ملنے کی وجہ سے گلاوٹھی جارہا ہے۔ان دونوں طالب علموں کے پاس بھاری سامان تھا چنانچہ ایک بڑا بھاری صندوق انہوں نے میرے سر پر رکھ دیا۔ میں نے وہ صندوق بڑی مشکل سے مدرسہ تک پہنچایا۔ جب مدرسہ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ یہ طالب علم نہیں بلکہ ہمارا استاد ہے تو نہایت شرمندہ ہوگئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے مدرسہ میں داخلہ لینے کا ارادہ بھی ترک کیا۔ جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے انہیں تسلی دی اور انہیں مدرسہ میں داخل کروا دیا۔"[22]

گلاوٹھی میں قیام کے دوران آپ مدرسہ میں مختلف کتابوں کا درس دیتے رہے۔اور اس کے ساتھ ہی مسجد میں بعد از نماز عشاء قرآن مجید کا درس بھی دیا کرتے جس میں مدرسہ کے طلباء اور عوام شریک ہوا کرتے۔ عوام وخواص آپ کے حلقہ درس سے محظوظ ہونے لگے۔[23]

آخرکار ہندوستان سے واپس آئے اور اپنے مرشد مولانا حسین علی کے پاس میاں والی گئے آپ کے مشورہ سے آپ نے درس قرآن شروع کرنے کا ارادہ کیا۔[24] اپنے قصبہ پنج پیر میں ایک مدرسہ قائم کر کے اس میں درس قرآن کی ابتداء کی جو مدتوں چلتا رہا اور اب آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد طیب اسی فریضہ کو انجام دے رہے ہیں۔

اتنی بے شمار خدمات کے ساتھ آپ کی جو تصنیفی خدمات ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ جن میں سے کچھ یہ ہیں؛

1۔ سمط الدرر فی ربط الایات و السور و خلاصتھا المختصر

2۔ اللمعان من خلاصۃ سور القرآن (پشتو)

3۔ العرفان فی اصول القرآن

4۔ نیل السائرین فی طبقات المفسرین

5۔ البصائر للمتوسلین باھل المقابر

6۔ ضیاء النور بدحض البدع والفجور

7۔ اصول السنۃ لرد البدعہ

8۔ الانتصار لسنۃ سید الابرار

9۔ انشاط من حیلۃ الاسقاط

10۔ الرسالۃ البیضاء فی مسئلۃ الدعاء

11۔ الرسالۃ فیرد ما راجبینا لناسمن المصافحۃ بعد صلاۃ العیدین۔

ان مطبوعہ کتب کے علاوہ دس بارہ کے قریب آپ کے غیر مطبوعہ کتب کے نسخہ جات بھی آپ کی لائبریری میں موجود ہیں علوم اسلامیہ میں تحقیق کرنے والے محققین و محققات کے لئے یہ نادر موقع ہے کہ ان مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب پر مزید تحقیق کریں تاکہ خیبر پختونخواہ کی اس زرخیز سرزمین کے افادات سے ملک کے باقی خطوں کے لوگوں کے ساتھ ساتھ قرب و جوار کے اسلامی ممالک بھی اس سے مستفید ہو جائیں۔

نتائج بحث

خیبر پختونخوا کے علماء کی فقہی خدمات ایک جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اس خطہ کے علماء، دین اسلام اور علوم اسلامیہ کی ہر طرح خدمت کرنے میں اگر سب سے آگے نہیں تو نہ سہی مگر کسی سے بہت پیچھے بھی نہیں۔اور نہ دیگر اقوام سے بہت کم ہیں۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان علماء میں خداداد صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔اور ان کی یہی تخلیقات (کتب) جس طرح عصر حاضر میں روشنی کے میناروں کا کام دیتی ہیں تو یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ مستقبل کے محققین اور تحقیق کاروں کے لیے بھی ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے ریسرچ مقالے مرتب کرنے کے عمل میں ایک قیمتی سرمایہ ثابت ہوں گی۔

حوالہ جات

1 ابوزھرہ شیخ "حیات امام ابوحنیفہ "مترجم: غلام احمد حریری(پروفیسر)، طابع زاہد بشیر پرنٹرز لاہور، 1983، ص:17-18

2 محمد الحضری علامہ (مرحوم) "تاریخ فقہ اسلامی "مترجم: عبدالسلام مولانا ندوی، طبع زاہد بشیر پرینٹرز لاہور، سن ندارد، ص:17-18

3 ابوزھرہ شیخ "حیات امام ابوحنیفہ "مترجم: غلام احمد حریری(پروفیسر)، ص148

4 ابو محمد علی بن حزم اندلسی، کتاب الاحکام لاصول الاحکام، ص22۔

5 شیروانی حبیب الرحمان مولانا "امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ناقدین "طبع و سن ندارد، ص:73۔

6 نفس مصدر

7 سید بی بی ڈاکٹر "پشتو میں علم فقہ کا سرمایہ "پی ایچ ڈی مقالہ (غیر مطبوعہ) پشاور یونیورسٹی، ج1، ص:68

8 قادری محمد امیر شاہ سید، "مشائخ سرحد" نثار آرٹ پریس لمیٹڈ، لاہور بار اول، 1972ء ج2، ص: 464

9 نفس مصدر

10 ہزاروی محمد صدیق "تعارف علماء اہل سنت "مکتبہ قادری لاہور، 1979ء، ص:119-120

11 شیخ الحدیث مولانا محمد امین گل صاحب (راقم کے والد صاحب)، سے 15 جنوری 1988ء کو ہونے والی گفتگو کا خلاصہ

12 ہزاروی محمد صدیق "تعارف علماء اہل سنت" مکتبہ قادری لاہور، 1979ء، ص:121-122

13 قادری محمد امیر شاہ سید "تذکرہ علماء و مشائخ سرحد"، نثار آرٹ پریس لمیٹڈ لاہور، بار اول 1972ء، ج2، ص:222-223

14 شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد آمین گل صاحب (راقم کے والد صاحب) سے 51 جنوری 1988ء کو ہونے والی گفتگو کا خلاصہ

15 محمد حمد اللہ جان مولانا "البصائر لمنکری التوسل باھل المقابر" مطبوعہ، المکتبہ الرحیمیہ پشاور 1395ھ مقدمہ

16 نفس مصدر

17 8 نومبر 1991ء اور 7 مارچ 1992ء کو مولانا محمد طیب ابن مولانا محمد طاہر پنج پیری صاحب کے ساتھ ملاقات کے دوران ہونے والی گفتگو کا خلاصہ۔ (اس زمانہ میں راقم گورنمنٹ کالج کوٹھا کا پرنسیپل تھا کوٹھا اور پنج پیر دونوں قصبے قریب قریب واقع ہیں اس لئے مجھ راقم کو پنج پیر جانے کا اتفاق ہوا کرتا تھا)

18 خان بادشاہ مولانا "تسکین الخاطر تذکرۃ اعمال مرشدی مولانا محمد طاہر" مطبوعہ نقوش پریس لاہور، بلاسن طباعت ص:10

19 راقم کی مولانا محمد طیب ابن مولانا محمد طاہر پنج پیری صاحب کے ساتھ 8 نومبر، 1991ء اور 7 مارچ 1992ء کو ہونے والی گفتگو کا خلاصہ

20 نفس مصدر، ص:14-15

21 خان بادشاہ مولانا "تسکین الخاطر تذکرۃ اعمال مرشدی مولانا محمد طاہر" مطبوعہ نقوش پریس، لاہور، بلاسن طباعت ص:14۔

22 محمد طیب مولانا ابن شیخ القران مولانا محمد طاہر کے پاس موجود مولانا صاحب کی ذاتی ڈائری (قلمی) سے ماخوذ۔ ص:16-17

23 نفس مصدر، ص:17

24 نفس مصدر